علامہ شبلی نعمانی کی شہرہ آفاق تصنیف المامون

(ایک تنقیدی جائزہ)

محمد الیاس الاعظمی ایم اے ☆

المامون علامہ شبلی نعمانی کی پہلی مستقل تاریخی تصنیف اور ان کے سلسلہ نامور فرمانروایان اسلام کا پہلا حصہ ہے۔ یہ ان کے قیام علی گڑھ کی یادگار ہے اور وہیں سے پہلی بار ۱۸۸۷ء میں شائع ہوئی اور اس قدر مقبول ہوئی کہ پہلا ایڈیشن صرف تین ماہ میں ختم ہو گیا۔ ۱۸۸۹ء میں اس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے، اب تک اس کے متعدد ایڈیشن دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہو چکے ہیں۔

اس کتاب میں دولت عباسیہ کے گل سر سبد مامون الرشید کے حالات و کارنامے اور اس کے عہد حکومت کے سیاسی، علمی، مذہبی، اخلاقی اور تمدنی حالات لکھے گئے ہیں جن سے دولت عباسیہ کے عروج و زوال کا اور اس کے اسباب کا پورا مرقع سامنے آ جاتا ہے۔

اس کے دوسرے ایڈیشن میں سر سید احمد خاں کے قلم سے ایک قیمتی دیباچہ بھی ہے جس میں انھوں نے علامہ شبلی کی تاریخی ژرف نگاہی اور اس بلند پایہ کتاب کی تصنیف کی تعریف و تحسین کی ہے نیز معیاری تاریخ نویسی کے فن پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

☆ ریسرچ اسکالر شعبہ اردو، شبلی نیشنل پی جی کالج (اعظم گڑھ) یوپی - بھارت

یہ دو حصوں پر مشتمل ہے ، شروع میں ایک تمہید ہے جس میں وجہ تالیف اور فن تاریخ کی خوبیوں، خامیوں اور اس کے اصولوں سے بحث کی گئی ہے ، اس کے بعد مامون الرشید کی ولادت تعلیم و تربیت ولی عہدی تخت نشینی اس کے عہد کی بغاوتیں خانہ جنگیاں فتوحات ملکی اور مامون کی وفات تک کے حالات لکھے گئے ہیں اور ان واقعات کو علامہ شبلی نے اس طرح قلمبند کیا ہے کہ تاریخ میں سوانح عمری کا لطف پیدا ہو گیا ہے -

دوسرے حصہ میں مامون کے نظام حکومت ، طرز سلطنت ، وسعت سلطنت ، فوجی نظام ، آمدنی ، خراج ، آبادی ،امور خانہ ،زمین کی پیمائش ، اس عہد کے حالات تہذیب و تمدن، مذہب، طرز معاشرت نیز مامون کے اخلاق و عادات ، علمی ذوق ، فضل و کمال اس کی علمی مجالس ، اراکین دربار ، ملکی عہدے ، غرض ان تمام حالات و واقعات اور خصوصیات و امتیازات کا ذکر ہے جن کی وجہ سے اس کا عہد عموماً شاہان عالم کے درمیان بالخصوص علمی حیثیت سے ممتاز تسلیم کیا گیا ہے -

وجہ تصنیف :

کسی کتاب کے جائزہ میں اس کی تالیف و تصنیف کی غرض و غایت خاص اہمیت رکھتی ہے ، المامون کی تصنیف کے اسباب و محرکات کیا تھے ؟ ذیل میں اس کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے -

اردو میں قومی تاریخ خصوصاً اسلامی حوصلہ مندیوں ، فتوحات ، سیاسی عروج ، تمدنی ارتقاء اور علمی کارناموں کے واقعات کی کمی نے علامہ شبلی کو اسلامی حکومتوں کی ایک مفصل اور بسیط تاریخ لکھنے پر آمادہ کیا تھا مگر چونکہ یہ کام اپنی وسعت اور پھیلاؤ کے اعتبار سے تنہا ان کے بس کا نہ تھا اس لئے انھوں نے ہر مسلم حکمران خاندان کے ایک ایک بطل عظیم اور نمایاں ترین شخصیت کا انتخاب کیا اور ان کے عہد کی تاریخ لکھنے کا منصوبہ بنایا، ان کے مشہور نامور فرمانروایان اسلام کا سلسلہ اس سعی و کوشش کا نتیجہ ہے ، انھوں نے اس کی ابتداء المامون سے کی ، اگرچہ خلفائے بنو امیہ میں ولید بن عبدالملک ، ہشام بن عبدالملک اور

حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی اس صف کے اہل تھے - خود خلفائے بنو عباس میں ہارون الرشید کا مرتبہ کم نہیں اس لئے یہ سوال اٹھتا ہے کہ ان سب کو نظر انداز کر کے علامہ شبلی نے المامون کا ہی انتخاب کیوں کیا؟ میرے نزدیک اس انتخاب میں اور عوامل کے ساتھ علامہ شبلی کا ذوق سب سے زیادہ موثر اور مرجح رہا-

المامون کی تصنیف کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ علامہ شبلی عباسی خلفاء پر مورخین یورپ کے الزامات کا جواب دینا چاہتے تھے ، چنانچہ المامون میں متعدد مقامات پر یہ محرک واضح طور پر نظر آتا ہے-

المامون کی تصنیف میں مسٹر پامر کی کتاب ہارون الرشید کو بھی بڑا دخل ہے ، مسٹر پامر نے اپنی کتاب ہارون الرشید اور ان کے عہد حکومت پر متعدد لغو اور بے سروپا الزامات لگائے گئے تھے جس کو پڑھ کر علامہ شبلی کے دل میں خیال آیا کہ المامون لکھ کر مسٹر پامر کے زہر کا تریاق بھی پیش کیا جائے (۱) ، چنانچہ علامہ شبلی نے المامون میں جا بجا مسٹر پامر کے الزامات اور ان کی غلط فہمیوں کا جواب دیا ہے اور ان کی غلط بیانیوں کی پردہ دری کیا ہے - (۲)

المامون علامہ شبلی کے اصول تاریخ کی روشنی میں :

علامہ شبلی کے اصول تاریخ کی روشنی میں اگر المامون کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے وضع کردہ اصول و ضوابط کا بڑا پاس و لحاظ رکھا ہے اور کہیں بھی ان سے انحراف نہیں کیا ہے ، بعض نقادوں نے جو اعتراضات کئے ہیں وہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جانبدارانہ مطالعہ اور پہلے سے قائم کئے ہوئے نظریات کا نتیجہ ہیں ، مثلاً علامہ شبلی نے مورخ کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ جس عہد کی تاریخ لکھے اس کے تمام حالات و واقعات یعنی تہذیب و تمدن ، طرز معاشرت ، مذہب ، اخلاق و عادات وغیرہ کو مفصل اور لازماً تحریر کرے ، صرف سیاسی امور فتح و شکست ، تخت نشینی ، خانہ جنگی ، فتوحات ملکی اور بغاوتوں کا تذکرہ نہ کرے ، چنانچہ المامون میں خود علامہ شبلی نے اس عہد کے واقعات میں

جہاں مامون کی ولی عہدی ، تخت نشینی ، فتوحات ملکی اور اس کے عہد کی بغاوتوں کا تذکرہ کیا ہے وہیں انھوں نے نظام حکومت ، فوجی نظم و نسق ، عدالتی اصول و ضوابط ، وسعت سلطنت، عمال کے عزل و نصب ، عام طرز معاشرت ، تہذیب و تمدن اور اس عہد کے علماء و فضلاء علوم و فنون اور عام اخلاق و عادات وغیر تفصیلات قلمبند کی ہیں ۔ المامون شاید اردو میں پہلی تصنیف ہے جو جدید ترین اصول تاریخ کی روشنی میں لکھی گئی ہے ۔

علامہ شبلی نے واقعات کی صحت و صداقت کے لئے تحقیق واقعہ پر بہت زور دیا ہے، اس کے لئے روایت و درایت دونوں اصولوں سے واقعہ کو پرکھنا ضروری قرار دیا ہے ، المامون میں روایتیں نقل کرتے وقت عملی طور پر وہ اپنے اس اصول پر کاربند نظر آتے ہیں ، روایتیں ثقہ ، مستند ، اور اصل راویوں سے نقل کی ہیں مثلاً امین کے قتل کا واقعہ امین کے غلام احمد بن سلام سے روایت کیا ہے جو بذات خود امین کے قتل کے وقت موجود تھا (۳) ، یا اسی طرح مامون کے خراج کی تفصیل مقدمہ ابن خلدون سے اس لئے نقل کی ہے کہ یہ تفصیلات مامون کے سرکاری کاغذات سے تیار کی گئی تھیں اور علامہ ابن خلدون نے ان کاغذات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا (۴) ۔

علامہ شبلی نے واقعات کے اسباب اور ان کی تحقیق پر بہت زور دیا ہے اور اس کے ذریعہ مفید تاریخی نتائج مستنبط کرنے کو تاریخ کی روح اور جان قرار دیا ہے ، المامون میں اس اصول کو بھی پوری طرح مدنظر رکھا گیا ہے اور نہایت خوبی و احتیاط سے نتائج مستنبط کئے ہیں۔ المامون کی اس خصوصیت کے بارے میں سرسیّد احمد خاں لکھتے ہیں :

> پہلے حصہ میں انھوں نے تاریخانہ واقعات لکھے ہیں اور نہایت خوبی و اختصار سے لکھا ہے کہ خلافت کا سلسلہ کیونکراور کیوں خاندان بنو امیہ کو برباد کر کے عباسی خاندان میں پہونچا اور کیا اسباب جمع ہوئے جس سے امین اس کا بھائی مقتول اور خود مامون تمام مملکت اسلامی کا مالک الملک لا شریک لہ بن گیا (۵) ۔

علامہ شبلی نے تاریخ نویسی کے لئے ایک نظریہ یہ بھی پیش کیا ہے کہ تاریخ اور انشا پردازی کی حدیں جدا جدا ہیں اور مورخ کو انشا پردازی سے احتراز کرنا چاہئے ، المامون میں اس اصول کو بھی برتا گیا ہے اور کہیں بھی بے جا انشا پردازی سے کام نہیں لیا گیا ہے ، اختر وقار عظیم لکھتے ہیں :

> فنی لحاظ سے المامون کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ شبلی نے ایک بڑے انشا پرداز اور مزاجاً شاعر ہونے کے باوجود کہیں بھی بلا ضرورت اپنی رنگین بیانی کے جوہر دکھلانے کی کوشش نہیں کیا (۶)۔

علامہ شبلی نے تاریخ میں حوالے اور استناد کو لازم قرار دیا ہے - اردو مصنفین میں علامہ شبلی پہلے شخص ہیں جنھوں نے حوالے اور مآخذ و مراجع کی نشاندہی پر نہ صرف زور دیا بلکہ عملی طور پر اسے پیش کیا ، چنانچہ المامون میں بھی انھوں نے اس کا پورا پورا خیال رکھا ہے اور ہر بات کو مستند مآخذ اور معتبر حوالوں سے نقل کیا ہے ، اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے لئے مستند مآخذ سے حوالہ دیا گیا ہے ، سر سید احمد خاں رقمطراز ہیں :

> مصنف نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس کا حوالہ معتبر مآخذ سے نہ دیا ہو ، ہر ایک جزئی بات پر بھی اس کتاب کا جس سے وہ بات لی گئی ہے ، حوالہ دیا ہے ، اس کے حاشیوں پر جس قدر کتابوں کے حوالے ہیں ان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے میں کس قدر جانکاہی ہوئی ہوگی اور مصنف کو کتنے ہزاروں ورق الٹنے پڑے ہوں گے (۷)۔

علامہ شبلی بلند پایہ مورخ ہونے کے ساتھ ایک بڑے سوانح نگار بھی ہیں ، ان کے اکثر تاریخی کارنامے سوانح ہی کے ذریعہ وجود میں آئے ، انھوں نے سوانح نگاری میں صاحب سوانح کے محاسن و معائب دونوں کے ذکر کو ضروری قرار دیا ہے ، اس سلسلہ میں ان

کا وہ قول بھی یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے مآثر رحیمی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

> اس کتاب میں تمام خوبیوں کے ساتھ یہ بہت بڑا عیب ہے کہ خانخاناں کی خوبیاں ہی خوبیاں گنائی گئی ہیں - نکتہ چینی کا نام نہیں حالانکہ آج کل کے مذاق عام کے موافق سوانح عمری اور لائف کی یہ ضروری شرط ہے (۸) -

چنانچہ انھوں نے المامون میں مامون کی زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کو پیش کیا ہے اور خوبیوں کے ساتھ خامیوں کو بھی بیان کیا ہے ، گو مامون الرشید ان کا ہیرو تھا اور اس کے فضل و کمال کے ذکر میں ان کا قلم حالت وجد میں نظر آتا ہے ، لکھتے ہیں :

اسلام کو آج تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہوئے اس وسیع مدت میں ایک تخت نشین بھی ایسا نہیں گزرا جو فضل و کمال کے اعتبار سے مامون کی شان یکتائی کا حریف ہو سکتا ، افسوس کہ سلطنت کے انتساب نے اس کو خلفاء و سلاطین کے پہلو میں جگہ دی ورنہ شاعری ایام العرب ، ادب ، فقہ ، فلسفہ کون سی بزم ہے جہاں فخر وشرف کے ساتھ اس کا استقبال نہ کیا جاتا (۹) - اس کی دلیرانہ فتوحات نے دنیا کے ممتاز حصوں میں اپنی نامدار اور محسوس یادگاریں چھوڑی ہیں ، بہادری کے معرکوں میں اس کی تیز روشنیاں دیکھ کر یقین نہیں آ سکتا کہ ان ہاتھوں نے تلوار کے سوا کبھی قلم بھی چھوا ہے ، اس کے ذاتی اخلاق بھی ایسے پاک اور برگزیدہ ہیں کہ سلاطین تو کیا فقراء اور درویشوں میں بھی دوچار ہی ایسے فرشتہ خو گزرے ہوں گے (۱۰) -

مامون کے اس فضل و کمال کے باوجود علامہ شبلی نے مامون کے معائب پر پردہ نہیں ڈالا بلکہ اس کی جو بے اعتدالیاں تھیں ، انھیں جوں کا توں قلمبند کر دیا ، لکھتے ہیں :

> ان سب خوبیوں کے ساتھ شخصی حکومت کے اقتدار میں بعض ایسی بے اعتدالیاں بھی اس سے سرزد ہو گئی ہیں جن کے خیال کرنے سے دل کانپ جاتا ہے اور دفعتاً اس کی تمام خوبیاں آنکھوں سے چھپ جاتی ہیں(۱۱)۔

علامہ شبلی نے مامون کی شخصیت کے متعدد پہلوؤں پر تنقید کی ہے ، امین کے قتل پر جس طرح وہ خوش ہوا اس کا ذکر ناپسندیدگی سے کیا اور مامون کے مقابلہ میں امین کو مظلوم لکھا ہے (۱۲)۔ اس کے مذہبی جنون پر تنقید کی اور لکھا کہ جس چیز نے اس کی تمام خوبیاں غارت کر دیں ، وہ یہی اس کا مذہبی جنون تھا(۱۳)۔ اس کے غیر معتدل رحم پر یہ لکھ کر نکتہ چینی کی کہ یہ شان خلافت کے شایان نہ تھا (۱۴)۔ غرض یہ کہ علامہ شبلی نے مامون کی زندگی کے دونوں پہلوؤں کو پیش کیا ہے اور تاریخ نویسی میں اپنے اصولوں سے کہیں انحراف یا چشم پوشی نہیں کی ہے۔

علامہ شبلی نے مورخ کو حقیقت نگاری کے ساتھ غیر جانبداری کی بھی تلقین کی ہے ، ایسی غیر جانبداری جس سے مورخ کے مذہب اور ذاتی اعتقادات کا بھی اندازہ نہ ہو چنانچہ انھوں نے اپنی اس تصنیف میں غیر جانبدار رہنے کی کوشش کی ہے ، امین الرشید کی شکست اور اس کے قتل کی تصویر انھوں نے جس طرح کھینچی ہے اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کتاب کا یہ حصہ مامون کے بجائے امین کی سوانح کا حصہ ہے اور جس سے مامون کے بجائے امین سے ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے اور امین کی تقصیریں قابل عفو و درگزر اور مامون کی تدبیریں نفرت انگیز معلوم ہوتی ہیں ، یہ حصہ علامہ شبلی کے بحیثیت مورخ غیر جانبدار ہونے کا کھلا ثبوت ہے ، امین کے قتل کی منظر کشی اس طرح کی ہے :

> امین گو عیش پرست اور نازک اندام تھا مگر اس کے ساتھ نہایت شجاع اور قوی بھی تھا ، اس بیکسی میں بھی قاتلوں کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آگے بڑھیں ہر شخص دوسرے پر ٹالتا تھا ، امین نے بجائے سلاح جنگ

کے ہاتھ میں ایک تکیہ اٹھا لیا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ میں تمہارے نبی کا ابن عم ہوں ، ہارون الرشید کا فرزند ہوں ، مامون کا بھائی ہوں ، میرا خون کسی طرح حلال نہیں بالآخر ایک شخص تلوار لے کر بڑھا اور امین کے سر پر ماری ، اس گستاخی اور جرأت نے امین کو یقین دلا دیا کہ اس کی دردناک فریاد ان سنگدلوں پر کچھ اثر نہیں کر سکتی ، وہ مرنے کے لئے تیار ہوا مگر ایسا ہی مرنا جیسا کہ ایک عباسی شہزادے کو سزاوار تھا ، اب اس کی نزاکت غضبناک جرأت سے بدل گئی ، دلیرانہ بڑھا اور چونکہ تنہا تھا چاہا کہ حریف کی تلوار چھین کر ہاشمی جرأت کے جوہر دکھائے ، یہ دیکھ کر گروہ کا گروہ دفعتاً اس پر ٹوٹ پڑا ، ایک شخص نے کمر پر تلوار ماری ، پھر سب نے مل کر پچھاڑا اور الٹی طرف سے ذبح کیا ، طاہر کے پاس سر لائے تو اس نے حکم دیا کہ ایک برج پر لٹکا دیا جائے تمام بغداد یہ عبرت انگیز تماشہ دیکھنے آیا ، طاہر یہ کہہ کر لوگوں سے اپنی کارروائی کی داد چاہتا تھا کہ یہ خلیفہ معزول کا سر ہے ، طاہر نے مامون کو ان دلچسپ اور مختصر لفظوں میں نامہ فتح لکھا ۔ " میں امیرالمومنین کے حضور میں دنیا اور دین دونوں پیش کرتا ہوں " - دنیا سے مظلوم امین کا سر مراد تھا اور دین سے چادر اور خاتم خلافت ، ذوالریاستین نے امین کا سر ایک سپر پر رکھ کر مامون کے سامنے پیش کیا ، اس غیر متوقع فتح کی خوشی نے مامون جیسے رقیق القلب شخص کو بھی ایسا سنگدل بنا دیا کہ اس نے اپنے بھائی کے خون آلود سر کو مسرت کی نگاہ سے دیکھا اور جوش خوشی میں سجدہ شکر ادا کیا ، قاصد کو مژدہ فتح کے صلے میں دس لاکھ درہم انعام دیئے ، اسی تقریب سے ایک بڑا دربار منعقد کیا اور تمام اراکین دولت و افسران فوج مبارک باد دینے کو حاضر ہوئے(۱۵)۔

اسی طرح ہارون الرشید کا ذکر اور اس کی خوبیاں اور اس کے فضل و کمال کا تذکرہ بھی علامہ شبلی کے غیر جانبدار قلم کا شاہد عدل ہے، مامون الرشید یقیناً ان کا ہیرو اور ممدوح ہے، وہ چاہتے تو کتاب کے یہ حصے مامون کی مدافعت تاویلوں اور مفروضوں سے پر ہو سکتے تھے مگر ان کی مورخانہ دیانت اور غیر جانبداری نے اسے قبول نہیں کیا اور جس کا جو حق تھا اسے ادا کیا، ہارون الرشید کا ذکر کرتے ہوئے علامہ شبلی لکھتے ہیں :

> ہارون الرشید بڑی عظمت و شان کا خلیفہ گذرا ہے، شہزادگی کے زمانے میں روم پر لشکر کشی کی، پے در پے فتحیں کرتا ہوا قسطنطنیہ تک پہونچ گیا، سریر خلافت پر بیٹھا تو اسلام کے ملکی حدود اس قدر وسیع کر دیئے کہ دولت عباسیہ میں کہیں نہیں ہوئے تھے - قیصر روم نے چند بار خراج دینے سے انکار کیا مگر اس نے ہر بار شکست دی، قیصر کے پایہ تخت ہریکل کو برباد کر دیا اور بزور یہ شرط لکھوائی کہ پھر کبھی آباد نہ کیا جائے گا، شاہانہ شان و شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے ہارون رشید کی شہرت کو اور بھی چمکایا، اس کی قدردانی کی ندائے عام نے دلوں میں وہ شوق اور حوصلے پیدا کر دیئے کہ زمانے کے تمام اہل کمال دربار میں کھنچ آئے اور آستانہ خلافت علوم و فنون کا مرکز بن گیا، خود بھی نہایت طباع اور قابل تھا، اس کی علمی مجلسیں ادبی تصنیفات کی جان ہیں (۱۶)۔

غرض علامہ شبلی نے پوری دیانتداری اور غیر جانبداری سے یہ کتاب لکھی اور غالباً اسی بنیاد پر اختر وقار عظیم نے لکھا ہے کہ :

> اگر کوئی جانبدار مورخ ہوتا تو ان واقعات کے ذکر کے بجائے انھیں کلیتاً غائب کر جاتا اور ان میں ایسی تاویلیں کرتا کہ یہی داستان مامون کی گراوٹ کے بجائے اس کی عظمت کی منہ بولتی تصویر بن جاتے لیکن شبلی

> کے غیر جانبدار قلم سے ایسی توقع ناممکن تھی ، انھوں نے جھوٹ بولنے
> پر ہمیشہ سچائی کو ترجیح دی (۱۷)۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے لکھا ہے کہ " وہ نظریہ کی حد تک درست چلتے ہیں مگر عمل میں ان کا نظریہ زیادہ دیر تک ان کا ساتھ نہیں دیتا (۱۸)" افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس رائے کی تائید و حمایت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی اس لئے ان کی جلالت علمی کے باوجود یہ کہنے میں مضائقہ نہیں کہ ان کی یہ رائے محل نظر ہی نہیں غلط اور نا درست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ شبلی نے اپنے اصولوں کا پوری طرح پاس و لحاظ رکھا ہے اور ان سے کہیں بھی انحراف نہیں کیا ہے ، المامون میں بھی یہ اوصاف بدرجہ اتم موجود ہیں۔

بعض اعتراضات اور ان کی حقیقت :

المامون جب شائع ہوئی تو بقول مولانا سیّد سلیمان ندوی اہل علم کی نگاہوں میں اعتبار کے قابل ٹھہری (۱۹)۔ مولانا عبدالحلیم شرر نے لکھا ہے کہ " ان کی دوسری تصنیف علی العموم پسند کی گئی اور اس کتاب نے پہلے پہل پبلک کو بتایا کہ مولانا شبلی کس قسم کے مصنف ہیں اور یہ کہ وہ آیندہ کیسے ثابت ہونے والے ہیں (۲۰)" مگر بعض لوگوں نے اس پر تنقیدیں بھی کیں ، اخبار آزاد لکھنو میں مولانا حبیب الرحمان خان شیروانی نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ اعتراض کیا کہ دولت عباسیہ میں مامون کے بجائے ہارون رشید انتخاب کے لائق تھا اور وہ مامون سے ہر طرح بہتر اور برتر تھا ، اس تبصرہ میں ہارون و مامون کا موازنہ بھی کیا گیا تھا اور مامون کی خامیاں گنا کر ہارون کی برتری ثابت کی گئی تھی (۲۱)۔

یہ سوال واقعی دلچسپ ہے کہ علامہ شبلی نے سلسلہ فرمانروایان اسلام میں ہیرو کے انتخاب میں کن خوبیوں کو پیش نظر رکھا ؟

علامہ شبلی نے ہیروز میں مامون کا انتخاب نہایت غور و فکر اور وسیع تر پس منظر میں کیا تھا یقیناً ہارون الرشید خلافت عباسیہ کے سلسلہ زریں میں واسطۃ العقد کی شان رکھتا ہے لیکن کیا علامہ شبلی کی اس دلیل کا جواب اس کے مداحوں کے پاس ہے کہ " اس کا دامن انصاف برامکہ کے خون سے رنگین تھا (۲۲)

اس سلسلہ میں بعض علمی حلقوں کی جانب سے جب تنقید و اعتراض کی لے بڑھنے لگی تو اخبار آزاد لکھنو کے ایڈیٹر نے ان تنقیدوں کے جواب کے لئے علامہ شبلی کو متواتر خطوط لکھے ، ان کے پے در پے اصرار پر علامہ شبلی نے ایک مختصر مراسلہ ایڈیٹر آزاد ہی کے نام لکھا ، یہ مراسلہ اخبار آزاد میں ۲۲ فروری ۱۸۸۹ء کے ایڈیشن میں شائع ہوا ، یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہے کہ علامہ شبلی کی یہ واحد تحریر ہے جو انھوں نے اپنی کسی تصنیف پر تنقید کے جواب میں لکھی ہے -

اس مراسلہ میں انھوں نے المامون کے انتخاب پر جو اعتراضات کئے تھے ان کا مسکت و مدلل جواب دیا ، ان کا لہجہ اس میں ذرا سخت نظر آتا ہے جو شاید بعض معترضین کے اعتراض برائے اعتراض کے رویہ کے پیش نظر بے جا بھی نہیں کہا جا سکتا ، انھوں نے لکھا کہ " جن لوگوں نے اس بات کو طول دیا ہے کہ دولت عباسیہ میں ہارون انتخاب کے لائق تھا نہ کہ مامون ، اس اعتراض کا تصفیہ وہ شخص کر سکتا ہے جس نے نہایت وسعت کے ساتھ تاریخی معلومات فراہم کئے ہوں اور ساتھ ہی باریک بیں اور تاریخی اصولوں کا نکتہ شناس بھی ہو "(۲۳) - اس کے بعد انھوں نے ہارون رشید کے انتخاب نہ کرنے کے متعدد اسباب بیان کئے ہیں ، وہ لکھتے ہیں :

> اگرچہ مجھ کو زیبا نہیں کہ مرحوم ہارون الرشید کی فرد قرار داد جرم تیار کروں لیکن اگر ہمارے دوستوں کے خزانہ معلومات میں المامون اور تاریخ الخلفاء کے سوا اور بھی کچھ ہے تو خیال کریں کہ وہ کون تھا جس سے سرحدی شہروں کے تمام گرجے بعض بیجا تعصب سے منہدم کرا دیئے ،

کون تھا جس نے اپنے قید خانہ کو بعض شبہ کی بناء پر حضرت موسیٰ کاظم سے آباد کیا تھا ، کون تھا جس کے درباری اس کی بدمزاجی سے اس قدر خائف رہتے تھے کہ اکثر اس کے پاس کفن پہن کر جاتے تھے ، کون تھا جس نے حضرت یحییٰ بن عبداللہ کو معاہدہ صلح لکھ دیا جس پر تمام علماء اور بنو ہاشم کے دستخط تھے ، پھر بے وجہ ان کو قید کر دیا ؟ اور گو امام محمد صاحب نے کہا بھی کہ یہ بالکل اسلام کے خلاف کارروائی ہے مگر باز نہ آیا ، کون تھا جس کے عہد میں عمال اور عہدہ داران ملکی اعلانیہ ظلم کرتے تھے اور سال بھر میں ایک بار بھی مظلوموں کی فریاد سننے کو دربار نہیں کرتا تھا ؟ کون تھا جس کو قاضی ابو یوسف نے نہایت حسرت اور تمنا سے کتاب الخراج میں یوں مخاطب کیا ؟اگر اے امیرالمومنین تو خدا کا تقرب اس طرح حاصل کرتا کہ رعایا کی فریاد سننے کے لئے مہینہ بلکہ دو مہینہ میں ایک اجلاس بھی کرتا جس میں تو مظلوم کی فریاد سنتا اور ظالم سے باز پرس کرتا تو مجھ کو امید تھی کہ تیرا شمار ان لوگوں میں نہ ہوتا جو رعایا کی حاجتیں نہیں سنتے اور غالباً تو دو ایک ہی اجلاس کرے گا ، ملک میں یہ چرچا پھیل جائے گا کہ تو برس دن میں ایک بار بھی لوگوں کی حاجت روائی کے لئے اجلاس کرتا ہے تو وہ لوگ ان شاء اللہ ظلم سے باز رہیں گے - کون تھا جس کے عہد میں اکثر واقعہ نویس عمالوں سے سازشیں رکھتے تھے اور بالکل جھوٹ اور فساد انگیز خبریں ہارون الرشید کو لکھتے تھے جس کی وجہ سے قاضی ابو یوسف نے مجبور ہو کر کتاب الخراج میں اس کا ذکر کیا ؟ کون تھا جس کے عہد میں ملک کی تباہی کا یہ حال تھا کہ سواد کے علاقہ میں حضرت عمرؓ نے جو خفیف رقم مقرر کی تھی ، رعایا اس کو بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی اور آخر قاضی ابو یوسف صاحب کو وہ مقدار جمع گھٹا کر اس کی توجیہ کرنی

پڑی ؟ کون تھا جس کا خزانہ اس طرح معمور کیا جاتا تھا کہ جب کسی پر کچھ شبہ ہوا تو اس کا کل مال و متاع ضبط کر کے خزانہ شاہی میں داخل کر دیا گیا، علی بن عیسی سے دس کروڑ درہم چھین کر جو خزانہ میں داخل کیے گئے کیا جائز حق سے لئے گئے ؟ کون تھا جس نے اسلام میں یہ نئی بدعت ایجاد کی کہ خلافت کے چند ٹکڑے کئے اور اپنے بیٹوں میں اس کو موروثی جائیداد کی طرح تقسیم کیا ؟ کیا ان باتوں کے ہم پلہ مامون کی تاریخ میں بھی مل سکتی ہیں -----فتوحات کے لحاظ سے رشید کو کیا ترجیح ہے ؟ مختصر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ رشید نے کوئی نیا ملک فتح نہیں کیا لیکن مامون کے عہد میں صقلیہ اور کریٹ کی جو فتحیں ہوئیں، وہ خاص لحاظ کے قابل ہیں، علم و قابلیت کے لحاظ سے سب جانتے ہیں کہ رشید صرف ادب فقہ حدیث میں کمال رکھتا تھا لیکن مامون ان علوم کے علاوہ فنون حکمت کے مختلف شعبوں میں ایک حکیم تسلیم کیا جاتا تھا" (۲۴)

اس کے بعد علامہ شبلی معترضین پر اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

افسوس ہے کہ نہ لوگوں کو تمام حالات سے اطلاع نہ واقعات کے موازنہ کرنے کی قابلیت، یہ امور جو میں نے لکھے ہیں شاید لوگوں کو چیستاں معلوم ہوں اور تاریخی دفتروں میں اس کے حوالے بھی نہ ڈھونڈ سکیں (۲۵)۔

اس مراسلہ میں ایڈیٹر آزاد کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

رشید کی برائیاں میں نے کم گنائیں، رنج ہوتا ہے کہ سینکڑوں برس کے دبے فتنے آج ابھارے جائیں، خیر رشید جو کچھ تھا خوب تھا، ان طرفداروں سے اس کا حق مجھ پر زیادہ ہے، میں نے کچھ سمجھ کے اس کو نہیں لیا المامون پر جو نکتہ چینیاں کی گئی ہیں وہ اسی طرح تفصیل طلب

ہیں جس طرح رشید و مامون کا موازنہ کیا، آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے اوقات کو ان فضول باتوں میں صرف کروں، آپ یقین فرمائیں کہ مجھ کو عام لوگوں کی تحسین سے نہ خوشی ہوئی نہ ان کے اعتراض سے رنج، میں چاہتا ہوں کہ لوگ اعتراض کریں آپ کا جی چاہے تو ان کے جواب کی طرف متوجہ ہوں، مجھ کو چھوڑ دیجیئے کہ رائل ہیروز کے باقی حصے پورے کروں۔

اسی آنکہ بدر و من کہ چو من ، خانہ گیری و حرف گیری نگاری (۲۶)

اس مراسلہ سے ہمیشہ کے لئے یہ بر حق فیصلہ ہو گیا کہ مامون کے انتخاب پر جو انگشت نمائی کی گئی تھی، وہ کسی طرح درست نہ تھی۔

المامون پر ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے بھی چند اعتراضات وارد کئے ہیں، ان کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس میں علامہ شبلی نے مامون کی ایک رخی تصویر پیش کی ہے، اس کے محاسن کا تذکرہ تو کیا گیا ہے لیکن معائب کو دھندلا کر کے بیان کیا ہے (۲۷)۔ اس اعتراض کی حقیقت ہماری اس بحث میں گزر چکی ہے، تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب جیسے صاحب نظر کی نظر اس واضح حقیقت پر کیوں نہ پڑی کہ مامون کو فطرت نے گوناگوں اوصاف سے متصف کیا تھا، اس کی خوبیوں کے مقابلہ میں اس کی خامیاں بہر حال کم ہیں، اس لئے ان کا ذکر بھی نسبتاً کم ہوا، اب اگر کسی صاحب فضل و کمال کی خوبیاں اس کی خامیوں پر غالب آ جائیں اور اس کی بعض بشری کوتاہیاں دھندلا کر رہ جائیں تو کیا کسی فرض شناس مورخ کا یہ کام ہے کہ وہ اپنی طرف سے اضافہ کر کے تصویر کے دونوں رخ یکساں کر دے۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے المامون پر تبصرہ کرتے ہوئے چند اور سوالات قائم کئے ہیں، وہ لکھتے ہیں :

> سوال یہ ہے کہ مامون کی کون سی بے اعتدالیاں ہیں جن سے شبلی کا دل کانپ اٹھا یا جن سے دفعتاً تمام خوبیاں آنکھوں سے چھپ گئیں ، شبلی فرماتے ہیں کہ مامون کی سب سے بڑی کمزوری اس کی حد سے بڑھی ہوئی فیاضی تھی ، اس پر اگر ہم کچھ الزام لگا سکتے ہیں تو یہی کہ اس کا رحم و انصاف حد سے متجاوز تھا (المامون حصہ اول ص۱۱۳) مگر یہ کمزوری بھی بڑے مزے کی کمزوری ہے لیکن شبلی اس میں معذور ہیں ، انھیں ایک ہیرو کی زندگی اور اس کے تمام کارناموں کی سرگزشت لکھنا ہے ، اس لئے عیوب بھی وہی بیان ہونے چاہئیں جن پر محاسن قربان کئے جا سکتے ہوں(۲۸) ۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ کا یہ اعتراض بظاہر طاقت ور معلوم ہوتا ہے مگر کیا کیا جائے کہ انھوں نے پہلے ہی یہ رائے قائم کر لی کہ "مامون الرشید علامہ شبلی کا ہیرو ہے اور المامون کا مقصد عہد اسلامی کے قابل فخر کارناموں کو پیش کرنا ہے" ان کی اسی رائے کی وجہ سے ان کی نظر ان واقعات پر نہیں پڑی جہاں علامہ شبلی نے انتہائی دیانتداری سے مامون کی وہ تقصیریں بلکہ جرائم گنائے ہیں جن سے دل کانپ اٹھتا ہے ، اور دفعتاً مامون کی تمام خوبیاں آنکھوں سے چھپ جاتی ہیں ، خود امین کے قتل کے واقعہ پر گہرائی و گیرائی سے نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ جو کچھ ہوا وہ مامون کی بے تدبیری کی وجہ سے ہوا ، علامہ شبلی نے امین کی شکست اور پھر اس کے قتل کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے مامون کے بجائے امین سے ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے اور مامون سے نفرت ، لطف یہ ہے کہ خود ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ :

> کتاب کے اس حصے کو دیکھ کر بعض اوقات دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ مامون کی لائف سے کہیں زیادہ امین کی لائف ہے ، پڑھنے والے کو امین سے ہمدردی ہو جاتی ہے ---- اس کی لغزشیں کچھ پیاری پیاری معلوم ہوتی ہیں اور شبلی کی مامون نوازی کے باوجود اس سے نفرت نہیں پیدا

> ہوتی ، اس کے مصائب پر رحم آتا ہے ، اس کے قتل کی تصویر اور اس وقت اس کے اضطراب و بے بسی کا نقشہ شبلی کے چھپے ہوئے غم کی غمازی کرتا ہے ----- فاتح مامون کے مقابلہ میں مفتوح امین کی تصویر کچھ روشن تر ہو گئی ہے [۲۹] ۔

اسی بنیاد پر اختر وقار عظیم نے لکھا ہے کہ :

> مامون سے عقیدت کے باوجود انھوں نے مامون کے بے موقع گن کبھی نہیں گائے بلکہ بعض موقعوں پر یوں اظہار خیال کیا کہ مامون کی عظمت کا نقش بہت ہلکا ہو جاتا ہے اور اس کے دشمنوں سے محبت کرنے کو جی چاہتا ہے [۳۰] ۔

اب رہی رحم و انصاف کے حد سے متجاوز ہونے کی بات تو علامہ شبلی نے نہایت بلیغ پیرایہ میں اسے مامون کی بے اعتدالیوں میں شمار کیا ہے لیکن ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے شاید اس کو کسی اہمیت کے لائق نہیں سمجھا ، یہ حقیقت ہے کہ رحم و انصاف کا بھی حد سے متجاوز ہونا بذات خود ایک بڑی خرابی اور بے اعتدالی ہے اور اکثر برائیوں کی جڑ بھی ہے ، اس سے وزراء و عمال اور عہدیداران حکومت خود سر اور بدمزاج ہوتے جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ خودسری کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعہ بڑے بڑے حادثات وقوع پذیر ہوتے ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے اس اہم کمزوری و خامی کو جس سرسری اور ہلکے انداز میں لیا ہے ، وہ خود ان کے اعتراض کی کمزوری کی نشانی ہے ۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ علامہ شبلی نے مامون کے غلط اور غیر منصفانہ اعمال و افعال کے سلسلے میں تاویل سے کام لیا ہے اور اس کی مثال میں مامون پر سادات کے قتل عام کے الزام کے سلسلہ میں علامہ شبلی نے جو رائے قائم کی ہے ، اسے پیش کیا ہے ، یہاں ہم پہلے علامہ شبلی کی اس رائے کو پیش کرتے ہیں ، وہ لکھتے ہیں :

خاندان عباسیہ پر عموماً سادات کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے جو لوگ حجروں میں بیٹھ کر اعتراض کے لئے قلم اٹھاتے ہیں، وہ معذور ہیں لیکن جو شخص پولیٹیکل ضرورتوں کا اندازہ داں ہے اس اعتراض کو مشکل سے تسلیم کرے گا۔ سادات اور علوئین کو دو دن کے لئے زور ہو گیا تو ملک میں قیامت برپا ہو گئی۔ عباسی خاندان ان کی جانب سے کبھی مطمئن نہیں رہ سکتا تھا اور جو کچھ ان سے برتاؤ ہوا، اسی ضرورت سے ہوا(۳۱)۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے طاہر اور امام رضا کے زہر دینے کے واقعہ کا حوالہ پیش کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :

> طاہر اور امام رضا کو زہر دیا گیا۔ شبلی کے نزدیک امام رضا کو زہر دینے کا واقعہ غلط ہے لیکن طاہر کو زہر دیا گیا اور خود مامون نے دلوایا لیکن مامون کی جگہ کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تو کیا کرتا --- شبلی کہتے ہیں مامون نے جو کچھ کیا سیاست ملکی کا عین اقتضا یہی تھا(۳۲)۔

یہاں سوال یہ ہے کہ علامہ شبلی نے قدیم تاریخوں، مستند حوالوں اور معتبر مآخذوں اور تاریخی اصولوں کے ذریعہ امام رضا کے زہر دینے کا واقعہ غلط ثابت کیا تو اس میں علامہ شبلی نے کون سی تاویل سے کام لیا یا اگر مامون سے طاہر کو زہر دلوانے کا صحیح سبب علامہ شبلی نے سیاست ملکی بتایا تو اس میں کون سی تاویل کارفرما ہے۔ دراصل سیّد عبداللہ سے یہاں بھی سہو ہوا ہے۔ علامہ شبلی نے طاہر کے زہر دینے کا جو مورخانہ سبب بیان کیا، ڈاکٹر صاحب نے اسے تاویل تصور کر لیا۔ مورخ کا یہ لازمی فرض ہے کہ وہ اسباب و علل کی تلاش میں قیاس سے کام لے کر مفید نتائج مستنبط کرے۔ علامہ شبلی کو اس سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ قدیم تاریخوں میں ہمارے مورخین کی بے شمار بے احتیاطیاں اہل علم سے پوشیدہ نہیں، بے شمار بے سروپا واقعات نقل کر دیئے گئے جو یقیناً ناقابل تسلیم ہیں اور اگر ان کے تسلیم کرنے پر اصرار کیا جائے تو کیا ہمارے تاریخی خزانے بے حقیقت ہو کر نہ رہ جائیں گے؟۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ " شبلی کو دلچسپ بشریت سے بہت کم غرض ہے انھیں تو شان جاہ و جلال ، قوت ، عظمت ، جبروت جیسے اوصاف سے محبت ہے ، اس لئے ان کے ہوتے ہوئے شبلی کی نظر کسی دوسری صفت پر پڑ ہی نہیں سکتی (۴۳) ۔

اس میں شبہ نہیں کہ علامہ شبلی کو جاہ و جلال اور عظمت و سطوت سے محبت ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا واقعی علامہ شبلی نے بشریت سے غرض نہیں رکھی اور ان کی نظر عظمت و جلال کے سوا کسی اور صفت پر نہ پڑ سکی ۔

المامون کا مطالعہ اگر مامون کی عام اور بشریت پر مبنی زندگی کے نقطہ نظر سے کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ شبلی نے المامون اور دوسری تصانیف میں بشری خدوخال کو بیان کرنے میں کوئی کمی نہیں کی ہے ، بشریت سے بھرپور ایک دلچسپ تحریر ملاحظہ ہو :

> ہمارے ناظرین جنھوں نے مامون کو کبھی فقہ و حدیث کا تذکرہ کرتے دیکھا ہے ، کبھی اہل کمال کے ساتھ اس کی عالمانہ بحثیں سنی ہیں ، نہایت تعجب سے دیکھیں گے کہ بزم عیش میں وہ رندانہ وضع سے بیٹھا ہے ، بے تکلف اور رنگین طبع احباب جمع ہیں ، پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہے ، دور شراب چل رہا ہے ، ساز چھیڑا جا رہا ہے ، گل اندام کنیزیں نغمہ سرا ہیں یاران با صفا بدمست ہوتے جاتے ہیں (۴۴) ۔

علامہ شبلی نے جہاں مامون کے زہد و ورع کا ذکر کیا ہے وہیں اس کے جلسہ ہائے عیش و نشاط اور اس کی رندی و سرمستی کا بھی دل کھول کر تذکرہ کیا ہے مگر ڈاکٹر سیّد عبداللہ کو اس پر بھی تعجب ہے کہ زہد و رندی کے اس ناخوشگوار امتزاج کے باوجود شبلی کا قلم المامون کی تعریف میں کس طرح رواں ہو سکا ۔ حالانکہ علامہ شبلی نے المامون میں خود لکھا ہے کہ :

> اس میں تعجب کی کیا بات ہے آزادی حوصلہ مندی ، لطافت طبع اور جوش شباب ہمیشہ زہد کی حکومت سے باغی رہتے ہیے ہیں ، مامون کی تخصیص نہیں ، اس وقت اسلامی سوسائٹیاں عموما اس رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں (۳۵)۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے یہاں یہ نکتہ کی بات تلاش کر لی کہ شبلی نے اپنے ہیرو کے جوش محبت میں آکر اس زمانے کی ساری اسلامی سوسائٹی کو عیب میں مبتلا دکھایا ہے ، حالانکہ یہ عیب امراء و سلاطین کا صلحاء و صوفیاء اور عام مسلم سوسائٹی کا نہ تھا(۳۶) ، لیکن مذکورہ بالا اقتباس میں علامہ شبلی نے جو بات عموماً کی قید سے لکھی تھی اور یہ قید ظاہر ہے کہ اہم نہیں مگر ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے اسے کلیتاً نہ صرف تسلیم کر لیا بلکہ دوسروں کو بھی یہی باور کرانے کی کوشش کر ڈالی ، اسلامی سوسائٹی سے علامہ شبلی کی مراد علماء و صوفیاء نہ تھے بلکہ یہی حکمران طبقہ تھا۔ میری اس بات کا ثبوت وہ اقتباس ہے جو ذیل میں پیش ہے ، اگر ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے اس کی طرف توجہ دی ہوتی تو شاید یہ اعتراض پیدا ہی نہ ہوتا ، علامہ شبلی لکھتے ہیں :

> مسلمانوں کو اس عہد میں امن ، فراغ ، اطمینان ، زر و مال سب کچھ میسر تھا پھر کیا چیز تھی جو ان کو زندگی کے پر خطر مقاصد سے روک سکتی ، ایک مذہب البتہ درانداز ہو سکتا تھا لیکن جدت پسند طبیعتیں اس کو بھی کھینچ تان کر اپنے ڈھب کا بنا لیتی تھیں ، شراب کی جگہ نبیذ (کھجوڑ کی تاڑی) موجود تھی جس کو عموماً عراق کے مذہبی پیشواوں سے حلت کی سند مل چکی تھی اور لونڈیوں کی عام اجازت نے عیاشی کے سب حوصلے پورے کر دیئے تھے ، نغمہ و سرور تو قابلیت علمی کے بڑے جز سمجھے جاتے تھے (۳۷)۔

اس طویل بحث سے المامون پر کیے گئے اعتراضات کی علمی تحقیقی اور تاریخی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اعتراضات یا تو محض برائے اعتراض تھے یا پھر یہ شبلی فہمی کے نقص کا نتیجہ تھے۔

المامون کی چند اور خصوصیات :

المامون کے امتیازات اور اس کی اصولی خصوصیات کے ذکر کے بعد اس کی چند اور خوبیاں بھی قابل ذکر ہیں مثلاً تاریخ کی کتابیں عموماً خشک اور بے کیف ہوا کرتی ہیں جس سے ایک قسم کی گھٹن اور تکان سی محسوس ہونے لگتی ہے مگر علامہ شبلی نے اپنے پیش رو مورخین کے برعکس دلچسپ انداز نگارش اختیار کیا اور اپنے ممتاز ادبی اسلوب تحریر سے تاریخ کو دلکش پرلطف اور جاذب مطالعہ بنا دیا، اختر وقار عظیم نے درست لکھا ہے کہ :

> شبلی کی تاریخ نویسی کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ کبھی بدمزگی یا بے کیفی میں مبتلا نہیں ہونے دیتے، جا بجا وہ ایک قصہ گو کی طرح ایسے ایسے دلچسپ قصے سناتے ہیں کہ واقعات کا تسلسل بھی ختم نہیں ہوتا، اس میں خشکی اور بے کیفی بھی نہیں آتی اور قاری کی اکتاہٹ بھی دور ہو جاتی ہے (۳۸)۔

المامون میں ادب و ظرافت کی چاشنی بھی پائی جاتی ہے، المامون کی اس خصوصیت کے بارے میں سرسید احمد خاں لکھتے ہیں :

> اس حصہ میں لطائف و ظرائف کے ساتھ علمی خصوصاً علم و ادب کے ایسے ایسے نکتے مذکور ہیں جو ادیب کے لئے سرمایہ ادب اور ظریف کے لئے سرمایہ ظرافت ہیں (۳۹)۔

المامون کے نہایت عمدہ اور سلیس و شگفتہ اسلوب نگارش اور صاف و شستہ اور برجستہ عبارت کے متعلق سرسید کا یہ قول کافی ہے کہ اس کی زبان و اسلوب پر دلی والوں کو بھی رشک آتا ہوگا (۴۰)۔

یہاں یہ نکتہ لائق ملحوظ ہے جس کی جانب سر سید احمد خاں نے اشارہ کیا ہے کہ "تاریخ کی کتابوں میں ناول اور ناول میں تاریخانہ طرز کو کیسی فصاحت و بلاغت سے برتا گیا ہو، دونوں کو برباد کرتا ہے (۴۱)۔ لیکن المامون کے بارے میں وہ لکھتے ہیں :

> ہمارے لائق مصنف نے اس کا بہت کچھ خیال رکھا ہے اور باوجود تاریخانہ مضمون ہونے کے ایسی خوبی سے اس کو ادا کیا ہے کہ عبارت بھی فصیح اور دلچسپ ہے اور تاریخانہ اصلیت بھی بدستور اپنی اصلی صورت پر موجود ہے جو خوبصورت ہے ، خوبصورت ہے جو بھونڈی ہے بھونڈی نہ خوبصورتی کو زیادہ خوبصورت بنایا ہے اور نہ بھونڈے پن کو بھونڈا ، اور درحقیقت یہی کمال تاریخ نویسی کا ہے (۴۲)۔

حقیقت یہی ہے کہ المامون اپنے موضوع پر نہایت عمدہ اور بلند پایہ تصنیف ہے ، علامہ شبلی نے جن اسباب و مقاصد کے پیش نظر اس کو تصنیف کیا تھا وہ اس عہد کے مانند آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں ، اس لئے المامون کے مطالعہ سے آج بھی وہ مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں جو علامہ شبلی کے پیش نظر تھے اور یہی ایک عمدہ تصنیف کی پہچان بھی ہے کہ اس کی افادیت صدیوں تک باقی رہے -

حوالہ جات و حواشی

۱- مولانا سید سلیمان ندوی ، حیات شبلی ، ص ۱۷۳، دارالمصنفین ، شبلی اکیڈمی - اعظم گڑھ - طبع چہارم ۱۹۸۳ء

۲- علامہ شبلی نعمانی، المامون، حصہ دوم ، ص ۱۵۱ - ۱۶۱، دارالمصنفین ، شبلی اکیڈمی - اعظم گڑھ - طبع سوم ۱۹۹۲ء

۳- ایضا - حصہ اول ، ص ۵۹

۴- ایضا - حصہ دوم ،حاشیہ ص ۱۳۵

۵- علامہ شبلی نعمانی ، المامون ، دیباچہ المامون ص ۲- دارالمصنفین ، شبلی اکیڈیمی - اعظم گڑھ - طبع سوم ۱۹۹۲ء

۶- اختر وقار عظیم ، شبلی بحیثیت مورخ ،اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۱۹۷۹ء

۷- علامہ شبلی نعمانی ، المامون دیباچہ ، ص ۳، دارالمصنفین ، شبلی اکیڈیمی ، اعظم گڑھ - طبع سوم ۱۹۹۲ء

۸- مولانا سیّد سلیمان ندویؒ ، مقالات شبلی ، ج ۴ ، ص ۸۱، دارالمصنفین ، شبلی اکیڈیمی، اعظم گڑھ

۹- علامہ شبلی نعمانیؒ ،المامون ، حصہ دوم ، ص ۱۷۸، دارالمصنفین ، شبلی اکیڈیمی، اعظم گڑھ - طبع سوم ۱۹۹۲ء

۱۰- ایضاً- ص ۱۲۷ - ۱۲۸

۱۱- ایضاً - حصہ اوّل ، ص ۱۲۸

۱۲- ایضاً - ص۶۰

۱۳- ایضاً ، حصہ اول ، ص ۲۸

۱۴- ایضاً -حصہ دوم ، ۱۹۵

۱۵- ایضاً ، حصہ اول ، ص ۶۰

۱۶- ایضاً - ص ۱۹

۱۷- اختر وقار عظیم ، شبلی بحیثیت مورخ ، ص ۹۱، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس ، دہلی-۱۹۷۹ء

۱۸- ڈاکٹر سیّد عبداللہ ، سرسیّد اور ان کے نامور رفقاء ، ص ۱۶۱، ایجوکیشنل بک ہاؤس ، علی گڑھ - طبع ۱۹۹۴ء

۱۹- مولانا سیّد سلیمان ندوی، حیات شبلی ، ص ۱۷۳، دارالمصنفین ، شبلی اکیڈیمی ، اعظم گڑھ - طبع چہارم

۲۰- ایضاً ، ص ۱۷۲- ۱۷۳

۲۱- سیّد صباح الدین عبدالرحمان ،علامہ شبلی پر ایک نظر ، ص ۲۷، دارالمصنفین ، شبلی اکیڈیمی، اعظم گڑھ - ۱۹۸۵ء

۲۲- علامہ شبلی نعمانی، المامون ، حصہ اول ، ص ۱۹-دارالمصنفین ، شبلی اکیڈیمی - اعظم گڑھ ، طبع سوم ۱۹۹۲ء

۲۳- مولانا سیّد سلیمان ندویؒ ، مقالات شبلی ، ج ۸ ، ص ۴۱، دارالمصنفین ، شبلی اکیڈیمی ، اعظم گڑھ

۲۴- ایضاً، ص ۴۲ - ۴۳

۲۵- ایضاً

۲۶- ایضاً، ص ۴۴

۲۷- ڈاکٹر سیّد عبداللہ ،سرسیّد اور ان کے نامور رفقاء ، ص ۱۵۸، ایجوکیشنل بک ہاؤس ، علی گڑھ - طبع ۱۹۹۴ء

۲۸- ایضاً

۲۹- ایضاً، ص ۱۵۷ - ۱۵۸

۳۰- اختر وقار عظیم ، شبلی بحیثیت مورخ ، ص ۹۰، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس ، دہلی- ۱۹۷۹ء

۳۱- علامہ شبلی نعمانی ،المامون ، حصہ اول ، ص ۶۹، دارالمصنفین ، شبلی اکیڈمی ،اعظم گڑھ - طبع سوم ۱۹۹۲ء

۳۲- ڈاکٹر سیّد عبداللہ ، سرسیّد اور ان کے نامور رفقاء ، ص ۱۵۹، ایجوکیشنل بک ہاؤس ، علی گڑھ - طبع ۱۹۹۴ء

۳۳- ایضاً، ص ۱۵۸

۳۴- علامہ شبلی نعمانی ، المامون ، حصہ دوم ،ص ۲۰۵، دارالمصنفین ، شبلی اکیڈمی ،اعظم گڑھ ، طبع سوم ۱۹۹۲ء

۳۵- ایضاً، ص ۲۰۵ - ۲۰۶

۳۶- ڈاکٹر سیّد عبداللہ ، سرسیّد اور ان کے نامور رفقاء ، ص ۱۶۰، ایجوکیشنل بک ہاؤس ، علی گڑھ - طبع ۱۹۹۴ء

۳۷- علامہ شبلی نعمانی ، المامون ، حصہ دوم ، ص ۲۰۶، دارالمصنفین ، شبلی اکیڈمی ، اعظم گڑھ-۱۹۸۵ء

۳۸- اختر وقار عظیم ، شبلی بحیثیت مورخ ، ص ۹۱، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی ،۱۹۷۹ء

۳۹- علامہ شبلی نعمانی، المامون دیباچہ ، ص ۲، دارالمصنفین ، شبلی اکیڈمی ، اعظم گڑھ - طبع سوم ۱۹۹۲ء

۴۰- ایضاً، ص ۳

۴۱- ایضاً

۴۲- ایضاً

☆☆☆